© rasailojaraid.com

معیشت اور اخلاقی اقدار

قاضی حافظ فرقان احمد

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف پیدا ہی نہیں فرمایا، اس کی غذا اور پرورش کا نظام بھی قائم فرمایا ہے۔ اس کی پیدائش کے روزِ اوّل سے اس مہربان نے ماں کے ذریعے غذا کا اہتمام کردیا۔ چونکہ نومولود نرم اور مشروب غذا ہی استعمال کرسکتا ہے، اس لیے اس کریم وحکیم اللہ نے طاقت ور مگر پی جانے والی غذا، دودھ کا انتظام کردیا، پھر وہ جوں جوں سنِ بلوغ و شعور کو پہنچتا گیا، اس کو رزق اور وسائل رزق فراہم کیے، جس کے ذریعے وہ اپنی بھوک اور دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرتا ہے۔ پھر اس کریم رازق کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ تمام انسانوں کو ان کے ماحول کے مطابق رزق فراہم کرتا ہے اور اس کی رزّاقی سے بدترین دشمن بھی محروم نہیں ہے۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

''انسان کے اندر کسب معاش کی صلاحیت خالقِ انسان نے بدرجۂ اتم رکھی اور اس صلاحیت کو آرزوئے خوب سے خوب تر کی مہمیز لگائی۔ چنانچہ ہر انسان اپنی صلاحیتوں اور ضرورتوں کے مطابق کسبِ معاش میں اپنی انتہائی کوشش صرف کرتا ہے اور اپنی محنتِ شاقہ سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ جہاں تک کسبِ معاش کے لیے تگ ودو کرنے کا معاملہ ہے، یہ خالق کائنات کی نظروں میں نہایت پسندیدہ فعل ہے۔ مگر اس تگ ودو میں کسی دوسرے کے معاشی حقوق کے تلف ہونے کا احتمال نہ ہو'' [۱]

زندگی عبارت ہے خواہش سے، لیکن ہر خواہش کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ خواہشات بے شمار ہیں، لیکن انہیں پورا کرنے کے وسائل محدود ہیں۔ پھر انسان کی خواہش کی کوئی حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ کا مطالبہ کرتی ہے اور ایسا کرنے میں وہ دوسری خواہشات کے حقوق پر دست درازی کرتی ہے۔ اگر وہ زیادہ خودسر ہو تو انہیں فنا کر دینے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ ان حالات میں انسان کے سامنے لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس خواہش کو کس حد تک پورا کرے، اور اپنے وقت اور توانائی کا کتنا حصہ اس کے لیے لگائے۔ کس خواہش کو کس حد تک دبائے، کسے نظر انداز کرے کہ اس کی شخصیت کی نشو ونما پر کوئی خراب اثر نہ پڑے۔ ظاہر ہے خواہشات خود اپنے آپ کو منظّم نہیں کر سکتیں۔ ان میں تصادم ہونا ناگریز ہے۔ ان کے آپس کے نزاع کا فیصلہ کرنا عقل کا کام ہے۔ جب خواہشات عقل کی اطاعت کی عادی ہو جاتی ہیں تو اس سے وہ ناقابل تسخیر قوّت پیدا ہوتی ہے، جسے ہم ''اخلاقی قوت'' کہتے ہیں۔ یہ قوّت جتنی قوی ہوگی، اتنی ہی پُختہ انسان کی سیرت، اتنی ہی محکم اس کی شخصیت ہوگی۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کی مختلف اور متصادم خواہشات کو ایک اصول واحد کے تحت منظّم کر کے اسے پُرسکون، پُروقار اور باعزّت زندگی کی مسرّتوں سے ہم کنار کرتی ہے۔

جناب ممتاز احمد سالک لکھتے ہیں:

''اسلام نے معیشت و اخلاق کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ اگر اخلاق کو معیشت سے الگ کر دیا جائے تو یہ ایک بے جان اور بے مصرف فلسفہ بن کے رہ جائے۔ ہمارے روزمرّہ کے بے شمار معاشی تعلّقات، اخلاقی مروّتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ باہمی اعتماد، ہمدردی، تعاون، احسان، خیر خواہی اور ایثار کے اخلاقی رویّے اگر کاروباری معاملات سے الگ کر دیے جائیں تو ہماری معاشی سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ جائیں''۔[۲]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اسلام، انسان کی اخلاقی نشو ونما کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اور اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے اجتماعی نظام میں فرد کو اختیاری حسنِ عمل کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل رہیں، تاکہ انسانی زندگی میں فیاضی، ہمدردی، احسان اور دوسرے اخلاقی فضائل رُوبہ عمل آسکیں۔ اسی بنا پر معاشی انصاف قائم کرنے کے لیے اسلام صرف قانون پر انحصار نہیں کرتا، بلکہ اس معاملے میں وہ سب سے بڑھ کر جس چیز کو اہمیت دیتا ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ یہ ہے کہ ایمان، عبادات، تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذریعے سے انسان کی داخلی اصلاح کی جائے، اس کے ذوق کو بدلا جائے، اس کے سوچنے کے انداز کو تبدیل کیا جائے اور اس کے اندر ایک مضبوط اخلاقی حس (Moral Sence) پیدا کی جائے، جس سے وہ خود انصاف پر قائم رہے''۔[۳۹]

انسانی معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی و بدحالی میں جہاں طبعی قوانین اور بے شمار اندرونی و بیرونی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں، وہاں اخلاقی عوامل کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ اخلاقی عوامل بظاہر نظر نہیں آتے اور ان کے نفوذ واثرات کو ہم مادی پیمانوں سے ناپ بھی نہیں سکتے، مگر یہ پورے معاشی اتار چڑھاؤ کا باعث بنتے ہیں اور پورے معاشی نظام کو اٹھانے اور گرانے کا سبب بھی۔

اسلام کی بنیادی معاشی اخلاقی اقدار:

وہ اسلامی اخلاقی اقدار جن کی ''معاشی معاملات'' میں پابندی کرتے ہوئے ہم ''اسلامی معیشت کے ثمرات'' سے مستفید ہو سکتے ہیں، یہاں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ا۔تقویٰ: (Piety)

انسان کی زندگی میں اخلاقی قدر جس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، وہ ''تقویٰ'' ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور وہ کام نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''اسلامی اخلاقیات کی بنیاد خوفِ خدا ہے، یعنی خوفِ خدا جب انسان اپنی پوری زندگی پر محیط کر لیتا ہے اور جب وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ خدا کو ناپسند تو نہیں، تو اس کا یہ وصف تقویٰ کہلاتا ہے''۔[۴۰]

معیشت پر اثر انداز ہونے والی اخلاقی اقدار میں 'تقویٰ' بہت اہم ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جب کسی قوم، ملک، علاقے اور بستی کے لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کے اوصاف جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وسائلِ معیشت کے دروازے کھول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا ہے اور اسے بے شمار برکتوں سے نوازتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (الاعراف – ۹۶)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے! لیکن انہوں نے تکذیب کی، پھر ہم نے انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں پکڑ لیا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان وتقویٰ اختیار کرنا یا تکذیب کرنا محض ایک نظری مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کی عملی اہمیت بھی ہے۔ اس سے کسی معاشرے کی معاشی اور اجتماعی زندگی براہِ راست متاثر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ میں دنیا کے تمام معاملوں کی باگ ڈور ہے، وہ اس کی بنیاد پر اس کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ تقویٰ کا وصف کلّی معاشیات (Macro Economics) کے ساتھ جزوی معاشیات (Micro Economics) اور انفرادی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق رسانی کا بہتر ذریعہ بن جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط (الطلاق : ۲ – ۳)

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا اور اس کو ایسے ذرائع سے رزق دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ، وَلَا وَرْعَ كَالْكَفِّ، وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ۔⁵

تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں (یعنی اصلاحِ معاش کے لیے سوچنا اور محنت کرنا)، اور کوئی پرہیز گاری اس کے مثل نہیں ہے کہ آدمی حرام سے باز رہے اور کوئی حسب اس کے برابر نہیں کہ آدمی کے اخلاق اچھے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقویٰ ہی انسان کے اندر ''توکل ویقین'' پیدا کرتا ہے۔ یاد رہے کہ ''توکّل'' تقویٰ سے پیدا ہونے والا ایک اعلیٰ وصف ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لَوْ اَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصاً وَتَرُوْحُ بِطَاناً ۔[۶]

اگر اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسا کرنا چاہیے تو وہ تم کو اس طرح روزی دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے، صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوئے آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہوا میں اڑنے والے پرندوں کو، ان کیڑوں مکوڑوں کو جو پتھروں کے نیچے رہتے ہیں اور آبی مخلوقات کو ان کی ضرورت اور ان کے ذوق کے مطابق رزق بہم پہنچاتا ہے، جو کفار کو بھی دیتا ہے جو اس کی ذات ہی کو نہیں مانتے ہیں۔ اگر مسلمان اللہ پر بھروسہ کر کے محنت کے لیے نکلے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو آسودہ حال گھر لوٹائیں گے۔

۲۔ عدل وانصاف: (Justice)

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ دونوں میں سے کسی میں بھی ذرا بھر کمی یا بیشی نہ ہو، تو عربی میں اس کو 'عدل' کہتے ہیں۔

اسلام نے عدل وانصاف کی اس عمدہ اخلاقی صفت کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، تاکہ ہر شخص کو اس کا حق ملے۔

''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''چوں کہ عدل کا قیام، شریعت کا مقصد ہے، لہٰذا اسلامی معاشرے میں ایسے تمام انتظامات، جو عدل پر مبنی ہوں، تحسین کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کے باہمی معاملات میں جب تک عدل کی روح کارفرما ہے، اجتماعی ضمیر اس کی تائید کرتا رہتا ہے۔ جب یہ معاملات عدل سے ہٹ جاتے ہیں تو لوگوں میں اس کے خلاف احتجاج واضطراب پیدا ہوتا ہے''۔[۷]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد عظیم خان ندیم کہتے ہیں:

''اسلام نے افراط وتفریط سے بچ کر ایک متوازن اور صحت مند معاشی پروگرام دیا ہے، جس میں نہ تو انسانی معیشت کی ضرورت کو نظر انداز کیا گیا ہے اور نہ ہی نئے نظاموں کی طرح روحانی اور اخلاقی پہلو سے آنکھ بند کی گئی ہے، بلکہ اسلام کے معاشی نظام میں دنیا کے دیگر تمام معاشی نظاموں کی تمام خوبیاں موجود ہیں اور ان کی برائیوں سے وہ بالکل مبرّا ہے۔ اس لیے اسلام کے معاشی نظام میں کوئی ایسا کاروبار جائز نہیں جس کی وجہ سے فاسد اور بے اعتدال نظامِ معیشت وجود میں آئے، یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جدّ و جہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے۔ گویا اسلام محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال اور بہترین توازن پیدا کر کے عادلانہ معاشی نظام کی تعلیم دیتا ہے''۔ [8]

قرآن مجید میں عدل وانصاف کے قیام کا حکم دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰـهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِى الْقُرْبىٰ. (النحل – ۹۰)	بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا، اور رشتہ داروں کو دینے کا۔

اس مختصر سے فقرے میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، ان پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ ان میں سے ایک ''عدل'' ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکّب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن وتناسب ہو، دوسرا یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔

اسلام نے ناپ تول میں بھی 'عدل وانصاف'' کی تاکید فرمائی ہے:

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ. (الانعام – ۱۵۲)	ناپ تول کو عدل وانصاف سے پورا کرو۔

یہاں تک کہ اسلام میں معاہدے کو بھی عدل وانصاف سے لکھنے کی تلقین کی گئی ہے، تاکہ کسی کی حق تلفی یا استحصال نہ ہو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ط (البقرہ – ۲۸۲)	اور تمہارے لین دین لکھنے والا عدل سے لکھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاروباری معاملات میں معاہدے ضروری ہوتے ہیں۔ اسلام دیگر معاملاتِ زندگی کی طرح یہاں بھی عدل وانصاف کے اصول کی پاسداری کی تاکید کرتا ہے۔

۳۔امانت ودیانت: (Honesty)

معاملات میں امانت ودیانت ایک اخلاقی قدر ہے اور اسلامی شریعت نے اس کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ،وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوانِ ۖ (المائدہ ۔ ۲)

اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو، اور زیادتی اور گناہ کے کاموں میں تعاون نہ کیا کرو۔

قرآن مجید میں ''امانت'' کی ادائیگی کا حکم آیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا ۖ (النّساء ۔ ۵۸)

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کی طرف لوٹادو۔

قرآن مجید میں امانتوں اور وعدوں کی نگہداشت کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِ ھِمْ رَاعُوْنَ. (المعارج ۔ ۳۲)

اور وہ لوگ امانتوں اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الْاَمِیْنُ الصَّدُوْقُ الْمُسْلِمُ، مَعَ الشُّھَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. ۹

سچا امانت دار، مسلم تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ڈاکٹر فیوض الرحمٰن لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قربِ خداوندی کے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے دنیا اور اس کے مشاغل کو چھوڑ دینا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی فرماں برداری اور صدق وامانت جیسی اخلاقی قدروں کی پابندی کے ذریعے آخرت میں شہداء فی سبیل اللہ کی رفاقت حاصل کرسکتا ہے''۔ ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل امانت بھی ہے۔ امانت سے مراد محض اس قدر نہیں کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو وہ مطالبے پر جُوں کی تُوں واپس کر دی جائے، بلکہ تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابلِ لحاظ بات کا لحاظ رکھنا بھی امانت کے مفہوم میں شامل ہے''۔[۱۱]

معاشی پہلو کے ہر شعبہ میں دیانت داری ضروری ہے۔ امانت دارانہ رویّہ معاشی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ اگر معاشی زندگی سے امانت و دیانت کو نظر انداز کر دیا جائے تو پورا معاشی نظام بے وزن ہو جاتا ہے۔ اسلامی معاشی زندگی کا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے دنیوی فلاح اور ضروری کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔ یہ عظیم نصب العین اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ایثار و قربانی، اور امانت و دیانت سے کام لیا جائے۔ اگر معاشی ترقی کرنا اور معاشرے میں استحکام لانا ہے تو زندگی کے ہر شعبہ میں امانت و دیانت کو اپنانا، ناگزیر ہے۔

۴۔ مساوات: (Equitability)

اسلامی نظام معیشت ایک جامع قسم کا نظام توازن ہے، جس میں مادی اور روحانی تقاضے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اس میں فرد کے حقوق اور اجتماعی مفاد میں توازن پیدا کیا گیا ہے۔ اسلام حق معیشت کی مساوات کو تسلیم کرتا ہے، بلکہ ضرورت قرار دیتا ہے، لیکن مدارج معیشت میں مساوات کا قائل نہیں ہے، یعنی وہ اس کو نہیں مانتا کہ سب کو ایک ہی طرح ہر سامان معیشت حاصل ہو، لیکن یہ ضروری سمجھتا ہے کہ سب کو ملے اور جدّ وجہد و ترقی کی راہیں یکساں طور پر سب کے لیے کھل جائیں، یعنی ''اسلام دولت کی ''مساوی'' (Equal) تقسیم کی بجائے ''منصفانہ'' (Equitable) تقسیم چاہتا ہے۔ اس کے پیش نظر ہرگز یہ نہیں ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان ذرائع زندگی کو برابر تقسیم کر دیا جائے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ وسائل معیشت اور ثمراتِ معیشت کی مساوی تقسیم ہونی چاہیے، بلکہ وہ کہتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصفانہ تقسیم ہونا چاہیے''۔[۱۲]

اگر معیشت میں عدم مساوات ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ	وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات
لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ (الانعام-۱۶۶)	زیادہ دیے ہیں، تاکہ آزمائش کر سکے اس میں جو تم کو دیا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رقم طراز ہیں:

''اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کیے۔ کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی خوب صورت ہے، کوئی بدصورت، کوئی عالم ہے کوئی جاہل، کوئی تن درست ہے کوئی بیمار، کوئی رذیل ہے کوئی شریف، کوئی عاقل ہے کوئی بے عقل، تاکہ وہ تمہارا ان باتوں میں امتحان کرے جو تم کو دی ہیں کہ کون اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اور کون اس کی مصیبتوں پر صبر کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تم کو شکل اور صورت، رزق و دولت اور عزّت و راحت کے اعتبار سے مختلف اور متفاوت بنایا ہے اور یہ تفاوت مراتب اور اختلاف اس لیے ہے کہ تم کو آزمائے کہ تم کو جو نعمت دی ہے، اس میں تم کیسا کام کرتے ہو۔ غنی کا امتحان شکر کے ذریعے ہوتا ہے اور فقیر کا امتحان صبر کے ذریعے سے ہوتا ہے''۔[۱۳]

انسانوں کے درمیان معیشت میں تفاوت یا عدم مساوات فطری ہے، لیکن اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ معاشرے کے چند لوگ تو مال و دولت کے ذریعہ عیش کریں اور ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹتے چلے جائیں اور ایک طبقہ کو سوکھی روٹی بھی نہ ملے۔ وہ زکوٰۃ، صدقات، وراثت وغیرہ کے ذریعہ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے اور معاشی جدوجہد کے لیے تمام جائز راہیں کھولتا ہے۔

۵۔ اعتدال و میانہ روی:

اسلام کی یہ خاص خوبی ہے کہ اس کا راستہ افراط و تفریط کے بیچ سے نکلتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مومنوں کی ایک صفت قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً . (الفرقان — ٦٧)

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کم خرچ کرتے ہیں، بلکہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''سخاوت اور فیاضی سے بہتر کوئی چیز نہیں، سارے مذہبوں نے اس کی تاکید پر تاکید کی ہے اور جو جس قدر زیادہ لُٹا سکے، اسی قدر وہ تعریف کے قابل سمجھا گیا ہے، لیکن اسلام نے اس راہ میں بھی بے اعتدالی سے پرہیز کیا ہے اور اس کو اچھا نہیں سمجھا ہے کہ دوسروں کو دے کر تم خود اتنے محتاج بن جاؤ کہ بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے اور محتاجوں میں ایک نئے محتاج کا اضافہ ہو جائے''۔[۱۴]

جمع کرنے کے بجائے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی ضرورت سے کچھ بچ جائے تو اس کو جماعت کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ط(البقرہ — ٢١٩)

وہ پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضروریات سے زائد ہو۔

مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

''اسلام ایک طرف اپنی بلند اخلاقی تعلیم اور ترغیب و ترہیب کے نہایت مؤثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امدادِ باہمی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے، تاکہ لوگ خود اپنے میلانِ طبع ہی سے دولت جمع کرنے کو بُرا سمجھیں اور اسے خرچ کر دینے کی طرف راغب ہوں اور دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی اُفتادِ طبع کی وجہ سے روپیہ جوڑنے اور مال سمیٹنے کے خُوگر ہوں، یا جن کے پاس کسی نہ کسی طور پر مال جمع ہو جائے، ان کے مال میں سے بھی کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور نکلوا لیا جائے''۔[۱۵]

معاشی معاملات میں بھی یہ میانہ روی بہت واضح نظر آتی ہے۔ پیدائشِ دولت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرفِ دولت اور تقسیم دولت کے جملہ امور میں افراد و اجتماع کے لیے درمیانی راہ کو پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ اعتدال ہی انسان کی زندگی میں قناعت پیدا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ هُدِیَ اِلَی الْاِسْلَامَ وَرُزِقَ الْکَفَافَ وَقَنِعَ بِه ۔۱۶

بے شک نجات پائی اس نے، جس نے اسلام کی ہدایت پائی، جسے ضرورت کے موافق روزی دی گئی اور جس نے اس پر قناعت کی۔

۶۔ حلال و حرام: (Do's and don'ts)

یہ ایک ایسا اخلاقی اصول ہے جس سے آج کے دور کی معاشیات بالکل ناآشنا ہے۔ چونکہ اسلام کا اصل مقصد صرف معاشی وسائل کی فراوانی ہی نہیں، بلکہ ان کا منصفانہ اور مصلحانہ استعمال ہے۔ اس لیے معاشی جدّ و جہد کو حلال و حرام کا پابند کیا گیا ہے۔ جب کہ خالص معاشی نقطۂ نظر سے ایک کی معاشی جدّ و جہد دوسرے کے لیے معاشی تکلیف یا معاشرے کے لیے ظلم و فساد کا ذریعہ بنتی ہے۔

قرآن میں حلال و حرام کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ.

(الاعراف –۱۵۷)

وہ (رسولؐ) ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، پاک چیزیں ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''اسلام نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے اگر ان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہ چیزیں ہیں جو یا تو فرد یا معاشرے کی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو مجروح کرتی ہیں اور یا انسانوں کے درمیان حقیقی معاشی تعاون، مساوات، آزادیٔ جدّ و جہد، عدل و انصاف اور قسط و توازن کا قیام مشکل کر دیتی ہیں''۔۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد عظیم خان ندیم ''حلال وحرام'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہٰذا معاشی پہلو میں انسان کی ایک حد تک انفرادی آزادی اور حیثیت کو تسلیم تو کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی چند حدود اور پابندیاں بھی عائد کرتا ہے، تاکہ افراد خود غرضی میں مبتلا ہو کر اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ نہ ہوں، بلکہ معاشرے کا ہر فرد اپنی انفرادی آزادی کے ساتھ اجتماعی زندگی کے لیے بھی مفید ثابت ہو اور دوسرے افراد کا بہترین معاون ثابت ہو''۔[۱۸]

اسلام میں حلال وحرام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام اگرچہ معاشی آزادیاں دیتا ہے، مگر اس میں حدود عائد کرتا ہے، تاکہ انسان ایک دوسرے کا استحصال نہ کرنے لگ جائے اور دولت حاصل کرنے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال نہ کرنے لگے۔

قرآن مجید میں آیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ (النّساء – ۲۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہوں، آپس میں مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ تم تجارت باہمی رضا مندی سے کرو۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''باطل طریقوں'' سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو خلافِ حق ہوں اور شرعاً واخلاقاً ناجائز ہوں۔ ''لین دین'' سے مراد یہ ہے کہ آپس میں مفاد ومنافع کا تبادلہ ہونا چاہیے۔ جس طرح تجارت اور صنعت وحرفت وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی ضروریات فراہم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے اور وہ اس کا معاوضہ دیتا ہے۔ ''آپس کی رضا مندی'' سے مراد یہ ہے کہ لین دین نہ تو کسی ناجائز دباؤ سے ہو اور نہ فریب ودغا سے! رشوت اور سود میں بظاہر رضا مندی ہوتی ہے، مگر درحقیقت وہ رضا مندی مجبورانہ ہوتی ہے اور دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جوئے میں بھی بظاہر رضا مندی ہوتی ہے، مگر فی الواقع جوئے میں حصے لینے والا ہر شخص اس غلط امید پر رضا مند ہوتا ہے کہ جیت اس کی ہوگی۔ ہارنے کے ارادے سے کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی راضی نہیں ہوتا۔ جعل اور فریب کے کاروبار میں بھی بظاہر رضا مندی ہوتی ہے، مگر اس غلط فہمی کی بنا پر ہوتی ہے کہ اندر جعل وفریب نہیں ہے۔ اگر فریقِ ثانی کو معلوم ہو کہ تم اس سے جعل یا فریب کر رہے ہو تو وہ ہرگز اس پر راضی نہ ہو۔ [۱۹]

''حلال وحرام'' کو شریعت نے جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوسکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ ! اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ، لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّباً ، وَاِنَّ اللّٰـهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِـمَا اَمَـرَ بِـهِ الْـمُـرْسَلِیْنَ . فَقَالَ : یٰـاَیُّھَـا الـرُّسُـلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْـمَـلُـوْا صَـالِحاً ؕ اِنِّـیْ بِـمَا تَـعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ. (المومنون – ۵۱) وَقَالَ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ. (البقرہ – ۱۷۲) ثُـمَّ ذَکَـرَ الـرَّجُـلَ یُطِیْلُ السَّفَـرَ، اَشْعَثَ اَغْبَرَ، یَمُدُّیَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ یَـارَبِّ! یَـارَبِّ! وَمَـطْعَمُـهٗ حَرَامٌ، وَمَشْـرَبُـهٗ حَـرَامٌ، وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ، وَغُـذِیَ بِـالْـحَرَام، فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟ [۲۰]

لوگو: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا تھا پھر آپؐ نے قرآن کی دو آیات تلاوت فرمائیں: ''اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، یقیناً تم جو عمل کرتے ہو، میں ان سے اچھی طرح باخبر ہوں''۔ ''اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دیں''۔ پھر آپؐ نے اس شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال غبار آلود ہیں اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اے رب! اے رب! جب کہ اس شخص کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اس کی غذا حرام ہے، اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟۔

ایک اور حدیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَـاتَّـقُـوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ خُذُوْا مَا حَلَّ وَدَعُوا مَا حَرُمَ. [۲۱]

پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اچھے طریقے سے روزی طلب کرو، جو حلال ہے اس کو لے لو اور جو حرام ہے اسے چھوڑ دو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام حلال روزی کمانے کو پسند کرتا ہے، اس کی ترغیب دیتا ہے اور اسے تقویٰ کی ایک پہچان بتاتا ہے اور حرام روزی، حرام ذرائعِ معیشت اور بداخلاقیوں کی جڑوں کا خاتمہ کرتا ہے۔

۷۔ صبر: (Patience)

صبر کے لغوی معنٰی ''روکنا'' ہیں، یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا۔ اور یہی صبر کی معنوی حقیقت بھی ہے۔ یعنی اس کے معنٰی نہ تو مجبوری اور بے اختیاری ہی کی خاموشی ہیں اور نہ انتقام لینے کے ہیں، بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثابت قدمی کے ہیں۔

قرآن مجید میں صبر کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی خوش خبری دی گئی ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ. (هود - ۱۱)	مگر جو لوگ صبر کرتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد سالک لکھتے ہیں:

''صبر بھی ایک اعلیٰ اخلاقی قدر ہے، معاشی معاملات میں صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان حلال ذرائع سے کمانے کے لیے جو بھاگ دوڑ کرتا ہے، اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر قناعت کرے اور اسی کے اندر اپنی گزر اوقات کا انتظام کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی جائز خواہشات وضروریات کو پورا کرنے یا شدید مجبوری کے عالم میں بھی ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے اجتناب کرے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ترقی کے لیے صبر وتحمل سے آگے بڑھے اور راتوں رات امیر بننے کی کوشش نہ کرے۔ اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ بالآخر ختم ہو جانے والا ہے لیکن اللہ کا دیا ہوا اجر زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ انسان کا صبر اور اس کی بدولت کیے گئے نیک اعمال اس کے لیے دنیا میں بھی مفید ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی! اللہ دونوں جگہ اجر دیتا ہے''۔ [۲۲]

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''صبر کے یوں تو بہت سے معنی بیان کیے جاسکتے ہیں، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے اس سے مراد ہے کسی شخص کا معاشی تنگ دستی کے زمانے میں اپنے آپ کو صرف حلال ذرائع کی جدّ وجہد تک محدود رکھنا، یعنی خواہ حالات معاشی لحاظ سے کتنے بھی خراب ہوں، کسی فرد کا صرف حلال ذرائع پر قناعت کرنا''۔۲۳

صبر ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جس سے انسان ہر طرح کے معاشی حالات سے سمجھوتہ کرسکتا ہے۔ اگر تنگ دستی ہو تو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھے، دست یاب نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اگر انسان کے پاس دولت کی فراوانی ہو تو نام ونمود سے پرہیز اور اسرف سے گریز کرے۔

۸۔ شکر:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کی شکر گزاری یہ ہے کہ دین کی راہ اختیار کی جائے اور احکامِ الٰہی کی پیروی کی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہم پر اپنی نعمتوں کی اور زیادہ کرم نوازی کرے گا۔

معیشت میں ''شکر'' سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو روزی کے ذرائع میسّر ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس میں اضطرار نہ پیدا ہو کہ میں یہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر انسان کے اندر شکر کے جذبات پیدا ہوجائیں تو انسان رشوت جیسی معاشی بداخلاقیوں سے بچ سکتا ہے اور اپنی زندگی تقویٰ کے مطابق گزار سکتا ہے۔

انسان کو حلال چیزیں کھانے اور اللہ کی کرم نوازی پر شکر ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ. (النحل ۱۱۴)

پس کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے پاک چیزیں تم کو دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار رقم طراز ہے:

''شکر سے مراد یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ مادی اسباب و مال میسّر ہے، اسے اللہ کی نعمت تصور کریں اور اس کا احسان مانیں۔ اس سے خود بخود یہ لازم آتا ہے کہ ان نعمتوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی ایسا تصرّف، جو شریعت کے منشا کے خلاف ہو، ناشکری تصوّر ہوگا۔ چنانچہ صَرفِ دولت کے باب میں شریعت کے اتباع کا دوسرا نام شکر ہے''۔۲۴

۹۔ احسان:

''بھلائی کرنا'' ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کے کام کو محیط ہے۔ اس کی صورتیں بے شمار ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ ان تمام صورتوں کی ایک عام صورت یہ نکلتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کیا جائے جس سے اس کا دل خوش ہو اور اس کو آرام پہنچے۔ دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا ''احسان'' ہے۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''احسان کے معنٰی یہ ہیں کہ کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جو اس کے لیے فائدہ مند ہو اور یہ برتاؤ عقلاً و شرعاً صحیح ہو، احسان کی بے شمار صورتیں ہیں، مثلاً ضرورت مندوں اور رشتہ داروں کی مالی امداد کرنا، کسی کو مصیبت سے نجات دلانا، کسی کے حق کو خوبی اور سخاوت سے ادا کرنا''۔۲۵

قرآن مجید میں ''احسان'' کا ذکر ایک جگہ ان الفاظ میں ہے:

اِنَّ اللّٰـــهَ يَـــأْمُـــرُ بِـالْعَـدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل-۹۰)	بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد، ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے؟ اور اسے بس اتنا ہی دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کش مکش تو نہ ہوگی، مگر محبت، شکر گزاری، عالی ظرفی، ایثار اور اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو و نما دینے والی قدریں ہیں''۔۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدل وانصاف ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے معاشی نظام کو قائم رکھا ہے اور احسان کی آمیزش اس معاشی نظام کو مضبوط بناتی ہے۔

۱۰-ایثار: (Sacrifice)

''ایثار'' درحقیقت فیاضی کا سب سے بڑا اور سب سے آخری درجہ ہے۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ دوسروں کو اپنی ضرورت پر مقدّم رکھا جائے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔ صحابہ کرامؓ جن کا سب سے بڑا اخلاقی وصف ''ایثار'' تھا کہ مکہ کے مہاجرین جب اپنا سب کچھ مکہ ہی میں چھوڑ کر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کو اپنے گھر دیے، باغ دیے، کھیت دیے، معیشت میں ہر طرح سے ان کو شریک کیا۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی تو ایثار کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ نعیم صدیقیؒ لکھتے ہیں:

''معاشی لحاظ سے دیکھیے کہ حضورؐ نے اپنی کام یاب تجارت قربان کی۔ اس سے حاصل شدہ سرمایہ اپنے مشن پر نچھاور کیا اور جب کام یابی کا دور آیا تو دولت کے ڈھیر اپنے ہاتھوں صَرف اور تقسیم کیے، مگر اپنے گھر کے لیے فقر و فاقہ اور سادہ سی گزران کا عالم پسند کیا۔ اپنے گھر والوں کے لیے کوئی اندوختہ نہیں چھوڑا، کوئی جائیداد نہیں بنائی اور ان کے کوئی بالاتر مالی حقوق قائم نہیں کیے اور ان کے لیے کسی عہدے کی مستقل موروثی گدی نہیں چھوڑی، دربان اور خادم بھرتی نہیں کیے، سواریاں جمع نہیں کیں، کوئی سامانِ آرائش گھر میں پسند نہیں کیا''۔[۲۷]

نبی کریم ﷺ نے اپنی ساری زندگی اسلام کے لیے وقف کی اور اس میں معاشی پہلو کو رکاوٹ نہ بننے دیا، بلکہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا، وہ اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دیتے ہوئے کسی کو دے دیتے اور خود بھوکے رہ لیتے۔ ''ایثار'' کی اہمیت آج کے دور میں اتنی ہی ہے جتنی ماضی میں تھی۔ اگر لوگ ایثار کے جذبے سے سرشار ہو جائیں اور ہر کوئی اپنے مال میں سے دوسرے کی مدد کرنے لگے تو ہم غیروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے اپنی معاشی مسائل خود ہی حل کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید میں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (الحشر – ۹)

وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود بھوکے رہیں۔

غرض معیشت میں امن وسکون اور استحکام کے لیے ایثار جیسی اخلاقی صفت کا ہونا ضروری ہے۔

یہ وہ اخلاقی خوبیاں ہیں جنہیں اسلام اپنے ماننے والوں میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ اخلاقی خوبیاں جب نظامِ معیشت کے ساتھ مل کر اپنا عمل کریں تو صحیح معنوں میں ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم ہوگا جو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دے گا۔ اور وہ حالات لوٹ سکتے ہیں جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن کی گورنری کے دوران سال بھر کی تمام زکوٰۃ یہ کہہ کر مدینہ بھیج دی کہ یمن میں اس کا لینے والا کوئی حق دار نہیں ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ نور محمد غفاری، ڈاکٹر، ''اسلام کا معاشی نظام''، ص ۱، لاہور، مرکزِ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۹۴ء۔

۲۔ ممتاز احمد سالک، ''معیشت و اخلاق''، مجلّہ 'القلم'، ج ۱ ش ۱، ص ۸۶، لاہور، ادارۂ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، ۱۹۹۳ء۔

۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، مولانا، ''معاشیاتِ اسلام''، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، شاہ عالم مارکیٹ، تیرہویں بار ۱۹۹۰ء۔

۴۔ خورشید احمد، پروفیسر ''اسلامی نظریۂ حیات''، ص ۳۹۸۔

۵۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید ''سنن ابنِ ماجہ شریف مترجم''، (ت: علامہ وحید الزمان خاں)، کتاب الزہد، باب الورع والتقویٰ ج ۳، ص ۵۵۵، لاہور، اسلامی اکادمی، اردو بازار، ۱۹۹۰ء

۶۔ ایضاً باب التوکل والیقین، ج ۳، ص ۵۳۴۔

۷۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، 'علمِ معاشیات''، ج ۱۴/۱، ص ۴۱۰، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء

۸۔ محمد عظیم خان ندیم، پروفیسر، ''اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات''، ماہنامہ ''فکر ونظر''، اسلام آباد، ج ۱۶، ش ۳، ص ۳۷-۳۸، اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ سنن ابن ماجہ شریف، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، ج ۲، ص ۱۷۱۔
۱۰۔ فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر، ''اسلام کا نظامِ حیات''، ص ۱۹۷، لاہور، نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۸ء۔
۱۱۔ اسلامی نظریۂ حیات، ص ۳۹۶۔
۱۲۔ معاشیاتِ اسلام، ص ۱۴۹۔
۱۳۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، شیخ التفسیر، ''تفسیر معارف القرآن''، ج ۲، ص ۵۷۴، لاہور، مکتبہ عثمانیہ، بیت الحمد، جامعہ اشرفیہ، طبع دوم ۱۹۸۲ء۔
۱۴۔ شبلی نعمانی، مولانا ''سیرۃ النبیؐ''، ج ۶، ص ۲۵۹۔
۱۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، مولانا، ''اسلام اور جدید معاشی نظریات''، ص ۱۰۸، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، شاہ عالم مارکیٹ، انیسویں بار ۱۹۹۲ء۔
۱۶۔ ''سنن ابنِ ماجہ''، کتاب الزہد، باب القناعۃ، ج ۳، ص ۵۲۶۔
۱۷۔ ''اسلامی نظریۂ حیات''، ص ۴۵۶۔
۱۸۔ ''اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات''، ماہنامہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد، ج ۱۶، ش ۴، ص ۳۴، اکتوبر ۱۹۷۸ء۔
۱۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، مولانا، ''تفہیم القرآن''، ج ۱، ص ۳۴۵، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۳واں ایڈیشن، ۱۹۷۶ء۔
۲۰۔ مسلم بن حجاج، ''صحیح مسلم مترجم'' (ت: علامہ وحید الزمان خاں)، کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیّب وتربیتہا، ج ۳، ص ۲۹، لاہور، حذیفہ اکیڈمی، الفضل مارکیٹ، ۲۰۰۱ء۔
۲۱۔ ''سنن ابنِ ماجہ''، کتاب التجارات، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ، ج ۲، ص ۱۷۳۔
۲۲۔ ''معیشت واخلاق''، مجلّہ ''القلم'' لاہور، ج ۱، ش ۱، ص ۸۸، ۱۹۹۳ء۔
۲۳۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ''علمِ معاشیات''، ج ۱۴/۱، ص ۴۱۲۔
۲۴۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ''علمِ معاشیات''، ج ۱۴/۱، ص ۴۱۲۔
۲۵۔ ''اسلامی نظریۂ حیات''، ص ۳۹۶
۲۶۔ ''تفہیم القرآن''، ج ۲، ص ۵۶۵
۲۷۔ نعیم صدّیقی، ''محسنِ انسانیت صلّی اللہ علیہ وسلم''، ص ۵۷، لاہور، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، اردو بازار، ۳۱واں ایڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

© rasailojaraid.com